حیاتِ عُرفی شیرازی کا ایک تنقیدی مطالعہ

از جناب ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب انصاری بی۔ اے، آنرز
ایم، اے، ایل، ایل، بی، پی، ایچ، ڈی، لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی

(۶)

عُرفی کی زندگی کے آخری ایام بھی لاہور ہی میں گزرے اور وہاں ہی اس کا انتقال ہوا لیکن اس کے سنہ انتقال کے متعلق مورخین میں کچھ اختلاف ہے تقی الدین کاشی عُرفی کا سنہ وفات ۱۰۰۰ھ تحریر کرتے ہیں[۵۱] اور عبد النبی فخر الزمانی بھی میخانہ میں ان سے اتفاق کرتے ہیں[۵۲] عُرفی کے دو دوسرے اہم معاصر تذکرہ نگار یعنی تقی اوحدی اور امین احمد رازی اس مسئلہ پر خاموش ہیں۔ عہد اکبری کے دو مورخین جنھیں عُرفی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا یعنی ملا عبد القادر بدایونی اور شیخ ابو الفضل نے البتہ عُرفی کی وفات کے سنہ کے متعلق لکھا ہے۔ ملا بدایونی عُرفی کی موت کو ۹۹۹ھ کے حالات میں بیان کرتے ہیں[۵۳] اور ابو الفضل نے بھی ۹۹۹ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ[۵۴]: "ہیزدہم (امرداد) عُرفی شیرازی رخت ہستی بر بست"

---

[۵۱] خلاصۃ الاشعار (مخطوطہ آزاد لائبریری، علی گڑھ) ذکر عُرفی شیرازی

[۵۲] میخانہ (لاہور ایڈیشن) صفحہ ۱۷۰ لیکن میخانہ کے طہران سے شائع ہونے والے ایڈیشن میں عُرفی کا سنہ انتقال ۹۹۹ھ ہی درج ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہو گی کہ تذکرہ ختم کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کے وقت عبد النبی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو گا۔

[۵۳] منتخب التواریخ، جلد دوم، صفحہ ۳۷۵ (کلکتہ ایڈیشن)

[۵۴] اکبر نامہ (مطبوعہ نول کشور پریس) صفحہ ۶۲۳۔ اکبر نامہ کے انگریزی ترجمہ کے مطابق ۱۰ رامرداد ۲۹ رجولائی ۱۵۹۱ء کے مطابق ہے۔

عبدالباقی نہاوندی نے بھی عُرفی کا سنہ وفات سنہ ۹۹۹ھ ہی بتایا ہے جیسا کہ ان کی حسبِ ذیل عبارت سے ظاہر ہے[1]: "بتاریخ شوال نہ صد و نود و نہ در لاہور جہان فانی را وداع نمودہ بہ عالم جاودانی شتافت"

ناظم تبریزی نے بھی (جس نے اپنا تذکرہ عُرفی کے انتقال کے چند ہی سال بعد لکھا تھا) عُرفی کا سنہ وفات سنہ ۹۹۹ھ ہی بتایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عُرفی کے انتقال کی تاریخ "استاد البشر" تحریر کی ہے[2]

اسی طرح معتمد خان بھی اپنی تصنیف اقبال نامہ جہانگیری میں اکبر کی حکومت کے چھتیسویں (۳۶) سال کے حالات میں سنہ ۹۹۹ھ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ[3]: "و درین سال مولانا عُرفی شیرازی نقدِ حیات در باخت"

اور شیخ منور بھی عُرفی کی وفات سنہ ۹۹۹ھ ہی میں بتاتے ہیں[4]۔ عُرفی کے سنہ ۹۹۹ھ میں انتقال کا ایک اور ثبوت سید علی ابن محمد الحسینی کی تصنیف بزم آرا ہے جو سنہ ۱۰۰۰ھ میں مکمل ہوئی اور جس میں عُرفی کا ذکر مردوں میں اور فیضی کا زندوں میں کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے عُرفی سنہ ۱۰۰۰ھ سے قبل وفات پا چکا تھا۔ اگر تقی الدین کاشانی یا عبدالنبی کے قول کے مطابق اس کا انتقال سنہ ۱۰۰۰ھ میں ہوا ہوتا تو اس کا نام بزم آرا میں وفات یافتہ لوگوں میں نہ ہوتا۔ تذکرہ نگاروں کے ان بیانات کے علاوہ سنہ ۹۹۹ھ میں عُرفی کے انتقال کا سب سے بڑا ثبوت وہ تاریخیں ہیں جو اس کے دوست و دشمن سبھی نے اس کی وفات پر کہی تھیں۔ اس کے دوستوں نے اس کا سنہ وفات "استاد البشر" (۹۹۹ ہجری) "ہادی کلام عُرفی شیرازی" (۹۹۹ ہجری) اور "معنی اتہ عالم رفت" (۹۹۹ ہجری) سے نکالا اور مخالفین کو مادہ تاریخ "عُرفی جوانہ مرگ شدی" (۹۹۹ ہجری) اور "دشمن خدا" (۹۹۹ ہجری) میں ہاتھ آیا[5]۔ یہ تمام تاریخیں اور متذکرہ بالا تذکرہ نگاروں اور مورخین کے بیانات ثابت کرتے ہیں کہ عُرفی کا انتقال سنہ ۹۹۹ھ ہی میں ہوا نہ کہ سنہ ۱۰۰۰ھ میں جیسا کہ تقی کاشی کا خیال ہے۔

---

[1] مآثر رحیمی، جلد سوم (کلکتہ ایڈیشن) صفحہ ۲۹۹

[2] نظم گزیدہ (مخطوطہ آزاد لائبریری، علی گڑھ) صفحہ ۱۱۲/۴۶: عُرفی کی تاریخ وفات "استاد البشر" کا ذکر عبدالباقی نہاوندی نے بھی دیباچہ کلیات عُرفی میں کیا ہے۔

[3] اقبال نامہ جہانگیری (مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور) صفحہ ۲۰۷

[4] درج النفائس (مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور) صفحہ ۲۰۷

[5] عُرفی کی ان تواریخ وفات کا ذکر مختلف کتابوں میں موجود ہے۔ "استاد البشر" کا حوالہ عبدالباقی نہاوندی نے دیباچہ کلیات عُرفی میں اور ناظم تبریزی نے نظم گزیدہ میں دیا ہے۔ "ہادی کلام عُرفی شیرازی" کا والہ داغستانی،
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

عُرفی کی موت کے اسباب کے بارے میں بھی مورخین میں اختلاف ہے۔ عُرفی کے معاصرین میں کچھ تو مثلاً ابوالفضل، ملا عبدالقادر بدایونی، ناظم تبریزی وغیرہ اس سلسلہ میں خاموش ہیں اور کچھ دوسرے مثلاً نظام الدین احمد، تقی الدین کاشانی، عبدالنبی فخرالزمانی، عبدالباقی نہاوندی امین احمد رازی اپنی تصانیف میں اس کی فطری موت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان میں نظام الدین احمد اپنی تصنیف طبقات اکبری میں عُرفی کی موت کا باعث مرض اسہال بتاتے ہیں چنانچہ ان کی عبارت حسب ذیل ہے:[1]

"در عنفوانِ جوانی بہ مرض اسہال درگذشت"

ہفت اقلیم میں امین رازی نے بھی اسی مرض میں عُرفی کی موت قرار دی ہے۔ ان کا بیان حسب ذیل ہے[2]

"و دریں اثنا احوالش مسموع باریافتگان حضرت شہنشاہی گردید و در سلک بندگان خواص انتظام یافت و پس از چند روز بہ مرض اسہال نقش حیاتش از صفحہ روزگار شستہ شد۔"

طبقات اکبری اور ہفت اقلیم دونوں کتابیں عُرفی کے انتقال کے محض تین سال کے بعد یعنی ۱۰۰۲ھ میں لکھی گئیں۔ لہذا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان دونوں کی فراہم کردہ اطلاع صحیح ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عُرفی کا انتقال محض اسہال ہی میں ہوا اور اس کی تصدیق عہد مابعد کے کچھ بہت ہی مستند تذکرہ نگار مثلاً علامہ غلام علی آزاد بلگرامی، سراج الدین علی خاں آرزو، حسین دوست سنبھلی، قدرت اللہ شوق، عوض رائے مسرت وغیرہ بھی کرتے ہیں، لیکن عہد مابعد کے تذکرہ نگاروں میں سے کچھ نے اس کی موت کے متعلق بھی حسب معمول کافی حاشیہ آرائی کی ہے۔ بعضوں نے فیضی کو مجرم بنایا ہے اور چند دوسروں نے شاہزادہ سلیم کے عشق کی بے سروپا داستان گڑھ کر اس عشق کے سلسلہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) علی ابراہیم خلیل اور حسین قلی خاں۔ عاشقی نے علاء الدولہ کامی کی کہی ہوئی تاریخ "معنی زعالم رفت" کا عبدالنبی فخرالزمانی نے "عُرفی جوانہ مرگ شدی" اور "دشمن خدا" کا عبدالقادر بدایونی نے ذکر کیا ہے۔ آزاد بلگرامی نے آیۂ کریمہ "مُتّکئِینَ فِیھَا عَلَی الاَرائِکِ" سے تاریخ وفات نکالی۔

[1] طبقات اکبری (مطبوعہ) جلد دوم، صفحہ ۴۸۹

[2] ہفت اقلیم، الاقلیم الثالث، ذکر عُرفی شیرازی صفحہ ۱۴۹ در مخطوط ٹیگور لائبریری، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

پیدا ہونے والے رقیبوں کو زہر دلوانے کا مجرم قرار دیا ہے۔ ان تذکرہ نگاروں میں وزیر علی عبرتی کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ عرفی کے ہندوستان آنے کے وقت ان کے خیال میں اس کی عمر ۱۰ سال تھی اور وفات کے وقت اس کی عمر چھبیس ۲۶ سال تھی) اپنے تذکرہ ریاض الافکار میں اس کی موت کا سبب زہر خورانی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ [(الف) ۱] "آخر در ۹۹۹ھ بہ عمر بست و شش سالگی چنانچہ در کتب سیر مرقوم است بہ ہلاہل جانگداز حاسدان رہ گرائے روضہ عدم گردید۔" علی ابراہیم خاں خلیل نے بھی اپنے دونوں تذکروں صحف ابراہیم اور خلاصۃ الکلام میں حاسدوں کے زہر دینے کے متعلق لکھا ہے۔ ان کی عبارت حسب ذیل ہے[۲]

"تا آنکہ معاندانِ حسد پیشہ زہر در طعامش کردند و بہ عمر سی و شش سالگی در لاہور داعی حق را لبیک اجابت گفت۔"

عبرتی اور خلیل اگرچہ زہر دینے والے "معاندان حسد پیشہ" کے نام بیان کرنے میں محتاط رہے ہیں لیکن ابوالفتح کاتب نے اس زہر خورانی کے سلسلہ میں فیضی کا نام لیا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ[۳]: "و فیضی آن بزرگوار را از راہِ حسد مسموم نمودہ بود۔" منتخب اللباب میں خافی خان نے بھی کچھ ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے: وہ فیضی کے ساتھ ابوالفضل کو بھی مجرم قرار دیتے ہیں اور اس کی وجہ عرفی کا دربار شہنشاہ میں اکبر سے قرب قرار دیتے ہیں ان کی عبارت حسب ذیل ہے[۴]:

"قبل از آنکہ بحد تکلیف شرعی رسد اشعار رنگین و قصیدہ ہا برجستہ می گفت تا آنکہ ابنائے زمان بر و رشک بردند و در پے خفت او شدند لہذا ترک وطن مالوف نمودہ عازم ہندوستان گردیدہ سعادت ملازمت بادشاہ حاصل نمود و در اندک مدت چناں مقرب و معزز گردید کہ آنچہ مشہور است فیضی و ابوالفضل در عالم ہم چشمی حسد بردہ او را مسموم ساختند۔"

(الف) ۱۔ ریاض الافکار (مخطوطہ خدا بخش لائبریری)، ورق ۴۸ (ب)
۲۔ صحف ابراہیم (مخطوطہ خدا بخش لائبریری، بانکی پور) ورق ۶۴۴-۶۴۳ و خلاصۃ الکلام (مخطوطہ بانکی پور) ورق ۱۹
۳۔ تذکرہ کاتب (مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور) صفحہ ۱۱۷
۴۔ منتخب اللباب (مطبوعہ کلکتہ) صفحہ ۲۴۱

ں تک کاتب اور خافی خان کے بیانوں کا تعلق ہے، اس پر پہلے ہی بحث کی جا چکی ہے کہ فیضی یا ابوالفضل کو عرفی سے حسد کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ عرفی کی دربار اکبری میں اپنی زندگی کے آخری ایام میں رسائی ضرور ہو گئی تھی لیکن وہاں وہ اس حد تک محترم و معزز نہ تھا کہ ابوالفضل یا فیضی کو اس طرف سے خطرہ محسوس ہوتا۔ تذکرہ نگاروں کے ایک تیسرے گروہ نے، جنہوں نے عرفی کو زہر دیئے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے، زہر دیئے جانے کا باعث شاہزادہ سلیم کا عشق قرار دیا ہے چنانچہ عبدالرحمن شاہنواز خاں کہتے ہیں کہ اس کے حاسدوں نے اس پر شاہزادہ سلیم کے عشق کا بہتان لگا کر اسے زہر دلوا دیا۔ شاہنواز کی عبارت حسب ذیل ہے:[1]

"حسادش بعشق شاہزادہ سلیم متہم کردہ در سن سی و پنج سالگی مسموم نمودند۔"

شاہزادہ سلیم سے عشق کے بہتان اور اس کی وجہ سے عرفی کو زہر دیے جانے کا قصہ ابو طالب تبریزی صاحب (خلاصۃ الافکار) نے بھی بیان کیا ہے اور ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں[2]:

"در زمان اکبر بادشاہ بہ ہندوستان آمدہ ملازمت اختیار نمود و با شاہزادہ سلیم جہانگیر و خان خاناں اظہار خصوصیت و محبت مفرط می فرمود چنانچہ بعضے بعشق شاہزادہ متہمش کردند۔ عاقبت بقصد حساد در ۹۹۹ھ مسموم شد۔"

اسی طرح علی قلی خان واله بھی عشق سلیم کی داستان اور اس سلسلہ میں عرفی کو زہر دیئے جانے کا افسانہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں[3]:

"و مولانائے مرحوم در زمان اکبر بادشاہ بہ ہندوستان آمدہ در خدمت آن بادشاہ ترقی عظیم نمودہ و با شاہزادہ سلیم کہ آخر مسمی بہ جہانگیر بادشاہ گردید خصوصیت و محبت مفرط داشت چنانچہ بعضے بعشق شاہزادہ متہمش کردہ اند۔ عاقبت حسادش در عین جوانی مسموم کردند۔"

---

[1] مراۃ آفتاب نما (مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ) صفحہ ۳۳۰

[2] خلاصۃ الافکار (مخطوطہ، خدا بخش لائبریری، بانکی پور) ورق ۱۰۹ (الف و ب)

[3] ریاض الشعراء (مخطوطہ لکھنؤ یونیورسٹی)، ذکر عرفی شیرازی (یہ نسخہ بہت قدیم ہے اور ۱۱۸۰ھ میں یعنی تذکرہ لکھے جانے کے کل بائیس برس کے بعد لکھا گیا ہے۔)

حسین قلی خان عاشقی نے بھی نشترِ عشق میں یہی داستان دہرائی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ[1]:

”آخر ناتوان بینان حسد بردہ بہ عشق شاہزادہ سلیم متہم ساختہ در عمر سی و پنج سالگی و بعضے سی و شش سالگی ہم نوشتہ اند در نہصد و نود و نہ ویرا مسموم ساختند ۔“

لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ :

”و بعضے گفتہ اند کہ مولانا بہ مرض اسہال در لاہور فی سنہ نہصد و نود و نہ ید رود جہان فانی نمود ۔“

راقم الحروف کی نظر سے گذرنے والے تذکروں کے مصنفین میں صرف شاہنواز خاں، والہ داغ ابوطالب تبریزی اور حسین قلی خاں عاشقی ہی وہ تذکرہ نگار ہیں جنہوں نے عُرفی کی شاہزادہ سلیم عشق کی داستان کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں اُس کو زہر دیا جانا بیان کیا ہے لیکن ان چاروں مصن میں سے کسی ایک نے بھی اس داستان کو محض تہمت سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا اور اس سلسلہ میں عُر کو زہر دیے جانے کو بھی محض اس کے ناتوان بینوں اور حاسدوں کی کارروائی قرار دیا ہے لیکن یہ صدی کے سب سے بڑے محققوں میں سے ایک یعنی علامہ شبلی (جنہوں نے ذکرِ عُرفی کے سلسلہ میں عرفات العا اور مآثر رحیمی ہی کو عموماً پیشِ نظر رکھنے کا دعویٰ کیا ہے) اس فرضی داستانِ عشق (جس کو خود یہ داستا بیان کرنے والے مذکورہ تذکرہ نگار بھی محض اتہام بتاتے ہیں) پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے (اگر نہ عرفات عاشقین میں اس کا کچھ ذکر ہے نہ مآثر رحیمی میں) اور اس معاملہ میں اتنا آگے بڑھ گئے کہ 'عشق' کو عُرفی کے ہندوستان آنے کا باعث قرار دے دیا ۔ اس سے بھی زیادہ قابلِ افسوس بات ہے کہ مولانا شبلی کی اس بے بنیاد بہتان طرازی، جس کا ذکر عُرفی کے انتقال کے ڈیڑھ سو سال تک کسی بھی تذکرہ نگار نے نہیں کیا اور جسے پہلی مرتبہ بارہویں صدی ہجری کے تذکرہ نگاروں نے صرف اتہام کی شکل میں پیش کیا، اس طرح قابلِ اعتنا سمجھ لی گئی کہ دورِ جدید کے لکھنے والوں نے اس معاملہ میں کسی ادنیٰ تحق کی ضرورت بھی نہ محسوس کی چنانچہ شیخ اکرام الحق صاحب اپنی تصنیف شعر العجم فی الہند میں عُرفی کی شاہد پرستی

[1] نشترِ عشق (مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور) ذکرِ عُرفی شیرازی

کا ذکر انتہائی وثوق کے ساتھ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"اگر شاہد پرستی کا نامناسب اور بے جا جذبہ اس کے نہالِ شباب کی جڑوں کو اپنے زہرابے سے خشک نہ کر دیتا تو نہ جانے کہاں پہنچتا۔"

ساتھ ہی ساتھ اسی ضمن میں اپنی تصنیف میں وہ یہ بھی حاشیہ آرائی فرماتے ہیں کہ :

"عُرفی شاہزادہ سلیم کا عاشق تھا اور چھتیس ۳۶ سال کی عمر میں اس کی موت زہر خورانی سے واقع ہوئی اور ایک نظریہ کے مطابق اس کو زہر دیئے جانے کی وجہ یہی تشہیر تھی۔"

اس سلسلہ میں اکبر نامہ کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن راقم الحروف کو عُرفی کے متعلق اکبر نامہ میں صرف حسب ذیل عبارت ملتی ہے[1] :

"ہیژدہم عُرفی شیرازی رخت ہستی بربست۔ درے از سخن سرائی بروے کشودہ بودند۔ اگر در خود ننگرستے و زندگی را بشائستگی سپردے و زمانہ لختے فرصت دادے و کار او بلند [شدے]"

اور آئینِ اکبری میں ابوالفضل کا بیان حسب ذیل ہے[2] :

"شائستگی از ناصیہ گفتار او می تابید و فیض پذیری از سخن او پیدا۔ از کوتاہ بینی در خود نگریست و در باستانیان زبان طنز کشود۔ غنچہ استعدادش نشگفتہ پژمرد۔"

جہاں تک راقم الحروف کو علم ہے ابوالفضل کی کسی بھی تحریر سے عُرفی کو زہر دیا جانا یا اس کا شاہزادہ سلیم سے "عشق" ثابت نہیں۔ کاش اکبر نامہ کا حوالہ دیتے وقت اکرام الحق صاحب اکبر نامہ کے اس صفحہ کا بھی حوالہ دے دیتے جس پر یہ داستانِ عشق اور واقعہ زہر خورانی درج ہے۔

عُرفی کی عالمِ نزع کی کیفیت بھی کچھ مصنفین نے بیان کی ہے۔ عبدالنبی فخرالزمانی اس ضمن میں کہتے ہیں کہ اکبر کے حکم سے جس وقت نظام قزوینی عُرفی کی عیادت کو گئے تو اس کا حال غیر تھا اور کلماتِ لایعنی اس کی زبان پر جاری تھے۔ عبدالنبی کی اس سلسلہ میں اصل عبارت حسب ذیل ہے[3] :

---

[1] اکبر نامہ جلد سوم (مطبوعہ کلکتہ در ۱۸۸۶ء)، صفحہ ۵۹۵

[2] آئینِ اکبری (مطبوعہ مطبع اسماعیلی، دہلی در ۱۲۷۲ھ)، صفحہ ۱۹۶

[3] میخانہ (طہران ایڈیشن) صفحہ ۲۲۲

" روزے از روزہا بہ قرین از وزارت پناہ عزت و معانی دستگاہ مرزا نظام قزوینی کہ بخشی و دیوان دارالعیش کشمیر بود شنیدم کہ گفت : وقتے کہ خبر بیماری عُرفی بہ سمعِ مبارک جہاں پناہ، انجم سپاہ، جلال الدین اکبر بادشاہ رسید، بمن حکم فرمود تا من بہ بالین او رفتہ مآل احوالش اطلاع یابم و حقیقت مُردن و زیستن او را بعد از ملاحظہ بہ عرض رسانم۔ چوں نزدیک وشدم دیدم کہ کار برو دشوار شدہ و نفسش بشمارہ افتادہ۔ پرسیدم کہ چہ حال داری۔ جواب داد کہ " دو شش، شش و پنج " ہرچہ از وے پرسیدم ہمیں جواب گفت۔ برگشتہ حقیقت حال آں شکستہ پر را بہ عرض ایستادگان بارگاہ جلال رسانیدم۔ بادشاہ داعیان دولت قاہرہ از استماع ایں مقدمہ تعجب بسیار نمودہ۔"

عبدالنبی فخرالزمانی نے ان مہمل کلمات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کیوں کہ عُرفی نے شیخ نظامی کی شان میں گستاخی کی تھی اس لئے مرتے وقت اسے کلمہ بھی نہ نصیب ہوا اور اس کی زبان پر مہمل الفاظ جاری رہے۔ لیکن عبدالنبی کے بیان کے برخلاف ابوالفضل، تقی الدین کاشی، عبدالباقی اور امین رازی کے بیانات شاہد ہیں کہ عُرفی کی سنجیدگی اور ہوش و حواس آخر وقت تک باقی رہے اور عالمِ نزع میں اس کی زبان پر نہایت ہی بامعنی رباعیاں تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ اس وقت اس کی تمام تر توجہ معبودِ حقیقی کی طرف تھی۔ ابوالفضل اور عبدالباقی کا بیان ہے کہ عالمِ نزع میں عُرفی کی زبان پر حسب ذیل رباعی تھی۔

کونین عُرفی دم نزع است وہماں مستی تو — آیا بہ چہ مایہ بار بستی تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بدست — جویائے متاع است و تہی دستی تو

اور تقی کاشی مندرجہ بالا رباعی کے ساتھ حسب ذیل رباعی کو بھی عُرفی کی وردِ زبان ہونا بتاتے ہیں:

اے مرگ مرا از یار شرمندہ مکن — نومید از آں گوہر ارزندہ مکن
یار آید و جان رود خدایا نفسے — مہلت دہ و در قیامتم زندہ مکن

اور امین احمد رازی نے عالمِ نزع میں عُرفی کی زبان پر حسب ذیل رُباعی کی تکرار بیان کی ہے :

یارب بہ عفوت بہ پناہ آمدہ ام سرتا بقدم غرق گناہ آمدہ ام
چشمے بہ کرم بہ بخش کز غائتِ شوق بے دیدہ بہ امید نگاہ آمدہ ام

عُرفی کی حالتِ نزع کے متعلق فضل علی خاں نے ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی ظرافتِ طبع، جس کی طرف تقی کاشی نے اشارہ کیا ہے آخر دم تک باقی رہی۔ فضل علی خاں رقمطراز ہیں کہ:[1]

"عُرفی در حالت نزع بود و یاران بنابر دریافت درستی احوال پرسیدند 'ماکیانیم'۔ گفت 'مرغ روح من در پرواز است'۔"

اور اسی لطیفہ کو محمد حسین آزاد دوسری طرح یوں بیان کرتے ہیں کہ فیضی جس وقت عُرفی کی عیادت کو گیا تو اس نے اس خیال سے کہ دیکھے کہ عُرفی کے ہوش و حواس بجا ہیں یا نہیں اس سے پوچھا "ماکیانیم" جس پر عالم نزع میں ہونے کے باوجود عُرفی نے جواب دیا[2] "حالا مرغ روحم شوق پرواز دارد، رو بہ ماکیان نمی آرد"۔

ممکن ہے کہ عُرفی کے عالم نزع کے یہ تینوں قصے درست ہوں اور نزاع کیفیت طاری ہونے تک عُرفی کے ہوش و حواس کے ساتھ ساتھ اس کی ظرافتِ طبع بھی باقی رہی ہو لیکن حالت کے اور زیادہ خراب ہونے کے بعد اس کی تمام تر توجہ اپنے معبود کی طرف ہو گئی ہو اور بالکل جان کنی کے عالم میں اس کے ہوش و حواس باقی نہ رہے ہوں یا یہ کہ وہ مرزا نظام قزوینی کے سوال کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن اُس کی زبان یاوری نہ کر رہی ہو۔

عُرفی کے انتقال کے وقت اس کی عمر کے متعلق بھی تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ تقی اوحدی جو نہ صرف عُرفی کا ہم عصر تھا بلکہ جس کا ایران میں کافی زمانہ تک عُرفی کا ساتھ رہا اس نے اپنی اور عُرفی کی ملاقات کے ضمن میں اور عُرفی اور وحشی کے مناظروں کے سلسلہ میں حسب ذیل عبارت تحریر کی ہے:[3]

---

[1] بستانِ بے خزاں (مخطوطہ رضا لائبریری، رامپور)، ذکر عُرفی شیرازی
[2] نگارستانِ فارس (مطبوعہ ۱۹۲۲ء) صفحہ ۹۷
[3] عرفات العاشقین (مخطوطہ بانکی پور) اوراق ۵۰۲ و ۵۰۳

"راقم این مقال در عنفوان حال چوں در جادہ شانزدہ سالگی قدم وجود نہادم از صفاہان که مولد و موطن اصلیست متوجہ شیراز شدم که منزل آبا و اجداد او بود و در آنجا به خدمت و صحبت مولانا عُرفی رسیدم ..... پنج سال قبل از آن که وے متوجہ سفر ہند شود، اکثر اوقات در ملازمت او و دیگر شعرا که مجتمع بودند [؟] چنانکه در چند جا ذکر آں شدہ ..... اشعار بسیار از بابا فغانی وغیرہ طرح می شد و دراں اثنا میان وے و مولانا وحشی که در یزد بود مکالمات و مکاتبات و مباحثات غائبانه واقع بود و دران وقت سن او به سرحد سی سالگی رسیدہ بود و اتحاد وے با مخلص به سرے بود که اکثر شعرا رشک بردند"

اس عبارت میں اگرچہ عُرفی کی عمر تیس۳۰ سال کے قریب بتائی گئی ہے لیکن یہ صاف نہیں ہے کہ "دراں وقت" سے تقی اوحدی کی کیا مراد ہے۔ یہ بات بہرحال صاف ہے کہ تقی اوحدی (پیدائش ۹۷۳ھ) سولہ۱۶ سال کی عمر میں عُرفی کے ہندوستان روانہ ہونے سے پانچ سال قبل اس سے ملا تھا۔ تقی کاشی کے بیان کے مطابق عُرفی ۹۹۲ھ میں ہندوستان کے لئے روانہ ہوا تھا لہذا تقی اوحدی کی عُرفی سے ملاقات ۹۸۸ھ یا ۹۸۹ھ میں ہوئی ہوگی۔ تقی اوحدی جس زمانہ میں عُرفی سے شیراز میں ملا تھا اس وقت عُرفی اکثر وحشی بافقی سے مناظروں میں مشغول رہتا تھا اور وحشی کا انتقال ۹۹۱ھ میں ہوا[1]۔ اس حساب سے عُرفی اور وحشی کے مناظروں کا زمانہ ۹۸۸ھ سے ۹۹۱ھ تک رہا ہوگا اور تقی اوحدی نے غالباً "دراں وقت" سے یہی زمانہ مراد لیا ہے۔ اگر ۹۹۱ھ میں یا اس سے کچھ قبل تقی اوحدی کے بیان کے مطابق عُرفی کی عمر تقریباً تیس۳۰ سال تھی تو اس کے انتقال کے وقت ۹۹۹ھ میں اس کی عمر تقریباً اڑتیس۳۸ سال یا اس سے کچھ زائد ہونا چاہیے۔ عُرفی کے دوسرے معاصرین میں عبدالقادر بدایونی، ابوالفضل،

---

[1] وحشی یزدی کی تاریخ وفات حسب ذیل ہے

وحشی آں دستانسرائے معنوی — گشتہ خاموش و بہم پیوستہ لب
از غم لب بستن وحشی کشاد — در پئے افسوس گفتن بستہ لب
سال تاریخش چوں جستم از خرد — در جواب من کشود آہستہ لب
دست بر سر اے دریغا گفت و گفت — بلبل گلزار معنی بستہ لب

۹۹۱ ہجری

لقادر نہاوندی، نظام الدین احمد، ناظم تبریزی، امین رازی، شیخ منور، سب ہی اس کی عمر کے
لق خاموش ہیں اور کسی نے اس سلسلہ میں کچھ بھی نہیں لکھا سوائے اس کے کہ وہ عالم جوانی میں فوت
۔ عبدالنبی فخر الزمانی نے البتہ عرفی کے انتقال کے وقت اس کی عمر چالیس سال سے کم بتائی ہے
اکہ اس کی میخانہ میں حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے[1]۔

"وہنوز سنش بہ چہل نرسیدہ بود کہ در لاہور وستہ اثنی والف عالم فانی را بے عاقبانہ وداع کرد۔"

کے سنہ وفات کے متعلق پہلے ہی بحث کی جا چکی ہے کہ وہ ۹۹۹ھ تھا نہ کہ ۱۰۰۲ھ جیساکہ مذکورہ
عبارت سے ظاہر ہوتا ہے[2]۔ عبدالنبی فخر الزمانی کا یہ بیان تقی اوحدی کے بیان کی تصدیق کرتا ہے کہ
کے انتقال کے وقت اس کی عمر اڑتیس اور چالیس سال کے درمیان تھی۔ عبدالنبی کے برخلاف
م تبریزی نظم گزیدہ میں عرفی کے انتقال کے وقت اس کی عمر چھتیس ۳۶ سال بتاتا ہے[3]۔ اسی طرح محمد افضل
ش جنہوں نے اپنا تذکرہ کلمات الشعراء عرفی کے انتقال کے تقریباً ایک سو سال کے بعد لکھا، وہ
عرفی کی عمر چھتیس ۳۶ سال بتاتے ہیں اور ان کے بعد دوسرے تذکرہ نگاروں میں آزاد بلگرامی، قدرت اللہ
اموی، علی ابراہیم خلیل، سراج الدین علی خاں آرزو، صدیق حسن خاں، آغا محمد علی، مفضل علی خاں،
ین قلی خاں عاشقی، مہدی حسین ناصری اور رضا زادہ شفق بھی انتقال کے وقت عرفی کی عمر چھتیس ۳۶
ہی لکھتے ہیں۔ کشن چند اخلاص نے اس کی عمر پینتیس ۳۵ سال بتائی ہے ان سب کے برخلاف وزیر علی
اپنی تصنیف ریاض الافکار میں عرفی کے ہندوستان آتے وقت اس کی عمر پندرہ سال اور اس
نتقال کے وقت اس کی عمر چھبیس ۲۶ سال بتاتے ہیں اور مولانا محمد حسین آزاد نگارستان فارس میں
ال کے وقت عرفی کی عمر چوبیس ۲۴ سال یا پچیس ۲۵ سال قرار دیتے ہیں[4]۔ پروفیسر عبدالغنی صاحب بھی

---

[1] یخانہ (طہران ایڈیشن) صفحہ ۲۲۲
[2] یخانہ کے لاہور ایڈیشن میں عرفی کی وفات کا سنہ ۱۰۰۲ ہجری درج ہے لیکن طہران ایڈیشن میں ۹۹۹ھ لکھا ہے
[3] ظم گزیدہ (مخطوطہ علی گڑھ یونیورسٹی) صفحہ ۱۱۴
[4] نگارستان فارس (مطبوعہ ۱۹۲۲ء) صفحہ ۹۷

اگرچہ عرفی کی عمر چھتیس۳۶ ہی سال لکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ کچھ مصنفین کے بیان کے مطابق عرفی کا انتقال چھیالیس سال کی عمر میں ہوا[ا] جیسا کہ مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہے، زیادہ تر تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ انتقال کے وقت عرفی کی عمر پینتیس۳۵ یا چھتیس۳۶ سال تھی اور یہ کہ اس عمر کے متعلق سب سے پہلے ناظم تبریزی نے اپنے تذکرہ نظم گزیدہ میں ذکر کیا ہے اور اس کے بعد دوسرے تذکرہ نگاروں نے ناظم کی تقلید کی ہے۔ ناظم تبریزی اور عبد النبی فخر الزمانی ہم عصر تھے اس لئے دونوں کے بیانات اہم ہیں لیکن عبد النبی کا بیان اس لئے زیادہ قابلِ قبول ہے کہ اس کی تصدیق تقی اوحدی کے بھی بیان سے ہوتی ہے اور یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ عرفی نے چھتیس۳۶ سال نہیں بلکہ تقریباً سال یا اس سے کچھ زیادہ عمر پائی۔ وہ بہرحال چالیس سال سے کم ہی عمر میں فوت ہوا اور اس کی حسب ذیل شعر میں کی گئی پیشینگوئی پوری ہو گئی۔

من کہ بیدار نخواہم شدن از بوئے سپید　　　بہتر آنست کہ در عہد شبابم بکشند

عرفی کی تدفین کے متعلق سب ہی اہم تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ لاہور میں ہوئی لیکن کشن چند اخلاص نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ مرنے کے بعد عرفی مقبرہ میر حبیب اللہ میں دفن کیا گیا۔[۲] اور اخلاص کے اس بیان کی تصدیق خوش گو اور عوض رائے مسرت نے بھی کی ہے۔ لیکن عرفی کے جسد خاکی کی تدفین عارضی تھی۔ بارگاہِ امامت میں اس کی دعا شرفِ قبولیت پا چکی تھی اور جیسی کہ اس نے اپنے قصیدہ ترجمۃ الشوق کے حسب ذیل شعر میں پیشین گوئی کی تھی،

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم[۵]　　　اگر بہ ہند ہلاکم کنند ور بہ تتار

بجانے

اس کی ہڈیاں ۱۰۲۷ھ میں یعنی اس کے کلیات کی ترتیب کے ایک سال کے بعد نجف اشرف کے لئے روانہ کر دی گئیں۔ یہ ہڈیوں کی منتقلی کیسے ہوئی اس میں تذکرہ نگاروں کو اختلاف ہے۔ معاصرین عرفی میں کسی کو اس واقعہ پر روشنی ڈالنے کا سوال ہی نہیں۔ عبد الباقی نہاوندی اور تقی اوحدی کے تذکرے

ا؎ history of persian language and literature at the Mughal Court, part III, page 179

۲؎ ہمیشہ بہار (مخطوطہ بانکی پور) صفحہ ۲۲۳

بھی عرفی کی ہڈیوں کی منتقلی سے کچھ پہلے لکھے جا چکے تھے لیکن عبد النبی جس نے میخانہ ۱۰۲۸ھ میں مرتب کیا پہلا تذکرہ نگار ہے جس نے اس واقعہ پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ میخانہ میں رقمطراز ہے کہ:[1]

"بر رائے انوار ارباب ہنر پوشیدہ نماند کہ ہنگام تحریر تحقیق پیوست کہ ملک الشعرا خراسان میرزا فصیحی در سنہ ہزار و بست و ہفت شخصے از ہرات بہ لاہور فرستادہ بود کہ استخوان مولوی مغفور را بہ مشہد مقدس برند۔ دہ روز قبل از آنکہ کس میرزا فصیحی بہ لاہور رسید میر صابر اصفہانی[2] کہ یکے از یاران این خجستہ فرجام است، استخوان عرفی را بہ نجف اشرف روانہ ساختہ بود۔ سبحان اللہ نتیجہ این بیت او بہ ظہور رسید ؎

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم | اگر بہ ہند بہ خاکم کشی وگر بہ تتار

---

[1] میخانہ صفحات ۸۰ و ۸۱ (لاہور ایڈیشن) اور ۲۲۵ تا ۲۲۶ (طہران ایڈیشن)

[2] میر صابر اصفہانی کے متعلق غلام علی آزاد خزانہ عامرہ میں لکھتے ہیں کہ: "میر صابر اصفہانی مردے خیر ستودہ بود و در عہد جہانگیری و شاہجہان قرین اعتبار می زیست۔ مدت ہا بہ واقعہ نویسی کل صوبہ جات دکن قیام داشت۔ تا اہل اختیار کرد و مجردانہ بہ خوبی و نیکنامی عمر بسر آوردہ تا سنہ احدی و ستین والف واقعہ نویس ممالک دکن بود و بعد ازاں معلوم نیست چہ قدر زندگانی کرد۔" مولوی عبد الجبار خان ملکاپوری نے اپنی تصنیف محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن کے صفحہ ۶۱۳ پر مراۃ العالم کے حوالے سے حسب ذیل حالات اور اضافہ کئے ہیں: "بختاور خان مراۃ العالم میں لکھتا ہے کہ خواجہ شکیبا جو میر صابر کا متبنیٰ و تربیت یافتہ تھا راقم کے ساتھ زمانہ طفلی سے محبت رکھتا ہے۔ فی الحال عالمگیر بادشاہ کی خدمت میں شرف اندوز ہے اور راقم کے ساتھ شاہی مقربین میں شریک ہے نقل کرتا ہے کہ میر صابر نے اصفہان میں ایک مدرسہ اور ایک تالاب بنا فرمایا اور قہرہ نام قصبہ میں جو مابین مشہد مقدس و اصفہان ہے ایک ندی تھی جب اس میں طغیانی ہوتی تھی تب تمام قصبہ کی عمارات و مکانات کو خراب و برباد اور اہل قصبہ کو وطن سے بے وطن کر دیتی تھی۔ میر مرحوم نے ندی پر ایک پل جس کا عرض پچیس درع اور طول ایک فرسخ ہے تعمیر کیا اور ایک باغ اور سرا اور حمام بھی بنایا اس کی تاریخ یہ ہے ؎ گفت آرام گاہ خلق جہاں اور میر صابر نے ۱۰۳۶ھ میں عرفی کی ہڈیاں لاہور سے نجف اشرف پہنچائیں ..... میر صابر ۱۰۶۲ھ میں شہر برہان پور میں فوت ہوا۔ شاعر ذکی الطبع و خوش وضع تھا کلام شستہ و پاکیزہ نظم کرتا تھا۔ رباعی اکثر کہتا تھا خان اعظم سے اخلاص و ارتباط رکھتا تھا۔"